برف کا روگ—— ایک تجرباتی مطالعہ

ڈاکٹر نثار ترابی[1]

Abstract:

"Hafeez Johar is renowned Urdu poet of England. His poetry book "Barf Ka Roog" is basically a catharsis of the poet who describes all his sorrows in a artistic and symbolic way. Immigrants from subcontinent consider that West would be the paradise of their dreams but when they became part of that society, they realise that life is more bitter in the West. One have to lose so many relations such as our own culture, Civilization, customs, relatives and most importantly our own identity, our homeland.

Hafeez Johar highlights all these social and cultural aspects in his poetry."

جناب محسن احسان ، حفیظ جوہر کے شعری مجموعے''برف کا روگ'' دیباچے میں رقم طراز ہیں:

> ''پچیس چھبیس سال ہونے کوآئے انہوں (حفیظ) نے کوٹھ کلاں راولپنڈی کا رخ نہیں کیا۔ حفیظ جوہر نہایت حلیم الطبع، گم صم اپنے کام سے کام رکھنے والا پیارا سا شخص ہے جس کے مزاج میں نرمی' جس کی باتوں میں مٹھاس اور جس کی طبعیت میں بڑی سادگی بسی ہوئی ہے۔ وہ ہولے ہولے پیاری باتیں شعر میں ڈھال دیتا ہے۔'' (۱)

گزشتہ کئی برسوں سے حفیظ جوہر کا جو کلام ادبی جرائد کے توسط سے گاہے گاہے نظر نواز ہوتا رہا ہے وہ بلاشبہ بڑی سادگی سے ہولے ہولے پیاری باتیں شعر میں ڈھال دینے کی ہنروری سے اپنی پہچان کراتا ہے۔ البتہ چھچھ کلچر ایسوسی ایشن بریڈ فورڈ(برطانیہ) کے زیر اہتمام ملن سنٹر کے ہال میں 25 مئی1998ء کی شام کو پہلی بار اس حلیم الطبع، گم صم اور اپنے کام سے کام رکھنے والے پیارے سے شخص سے ہمیں بالمشافہ ملاقات کرنے اور کلام سماعت کرنے کا اتفاق ہوا کہ جس کی باتوں میں مٹھاس اور جس کی طبعیت میں بڑی سادگی بسی ہے۔ پوری ملاقات کا وسیلہ وہ محفل مشاعرہ تھی جو مذکورہ تنظیم نے ہمارے اعزاز میں منعقد کی تھی۔ یہ بھی بجا ہے کہ شاعر اپنےآبائی گاؤں سے جتنا عرصہ دور رہا اس میں ایک پوری نسل جنم لے کر جوانی کی حدود بھی تجاوز کر چکی ہے۔

ہم نے اپنے آبائی گاؤں ''دو میل'' (یہ گاؤں ضلع اٹک کی ''جنڈ'' نامی ایسی تحصیل میں شامل ہے جہاں عمومی طور پر ہندکو زبان بولی جاتی ہے۔ اس تحصیل کی جغرافیائی حد ایک طرف سرائیکی اور دوسری جانب سے خیبر پختونخواہ کے سنگم پر واقع ہے) کے بوائز ہائی اسکول سے چھٹی جماعت پاس کر کے اسی ایلیٹ ہائی سکول مورگاہ راولپنڈی میں داخلہ لیا جہاں قبل ازیں برادرم حفیظ جوہر نے مڈل تک کے تعلیمی مدارج طے کئے تھے۔ ایلیٹ ہائی اسکول مورگاہ میں جب 1977ءمیں ہم نے میٹرک پاس کیا تو اس سے چند سال قبل ہی حفیظ جوہر عازم ولایت ہو چکے تھے۔ ورنہ1980ء کی دہائی کے وسط میں ان دنوں اٹک آئل کمپنی مورگاہ کے ادب دوست افسران جناب مختیار حسین جعفری اور جناب وارث خان کے تعاون سے ہم نے ایلیٹ کلب مورگاہ میں جن یادگار مشاعروں کا اہتمام کیا، علاقائی نسبت کی بناء پر برادرم حفیظ جوہر کی رفاقت خوش ادا بھی ہماری علاقائی ادبی یادوں کا ایک قیمتی اثاثہ ہوتی ہے اور یہ بات ریکارڈ پر ہے کہ مذکورہ مشاعرں کے ذریعے ضمیر جعفری، پریشان خٹک، انور مسعود اور سرفراز شاہد، ڈاکٹر انعام الحق جاوید، رشید نثار اور انوار فیروز سمیت شعری ادب کے متعدد روشن میناروں نے علاقے کی غیر ادبی فضا کو پہلی بار اتنے بھرپور، منظم اور وسیع پیمانے پر ضوبار کیا تھا۔

وہ لوگ جو حفیظ کو ذاتی سطح پر جانتے ہیں اورکبھی پوری ملاقات کے ذریعے اس کی شخصیت کے رنگ آنکھوں میں اتار چکے ہیں۔ بخوبی جانتے ہیں کہ وہ محبتوں میں شائستہ رکھ رکھاؤ کا قائل ہے۔ اسے عشق کے آداب بے وقار نہیں ہونے دیتے۔ لہجے میں نرمی، طبعیت میں

---

[1]ایسوسی ایٹ پروفیسر، الحمد اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

ٹھہراؤ اور برتاؤ میں تہذب پسندانہ حجاب ہمہ دم اس کی من موہنی شخصیت کو مشکبار رکھتا ہے۔ اس کی شخصیت اس کے خیالات کا لباس ہے اورخیالات ، شخصیت کا پرتوبکھیرتے ہیں:

دل کی بات جانے کب سے
ہونٹوں پر ہی رکی ہوئی ہے

برف کا روگ[2]،ص79

ایک چھوٹی سے بات کہنے کو
عمر بھر سوچتا رہا کوئی

برف کاروگ ،ص35

تعلق داریوں میں شرافت کے عملی مظاہروں نے اسے زخم کھا کے بھی مسکرا کر معاف کر دینے کے جوئے قلندری عطا کر رکھی ہے:

کس دن تری بیداد کا پتھر نہیں آیا
شکوہ کوئی بھولے سے بھی لب پر نہیں آیا

برف کا روگ، ص40

یاد آتا ہے بے وفا کوئی
جس سے دل کو نہیں گلہ کوئی

برف کا روگ، ص37

''برف کا روگ'' کا کل شعری سرمایہ 58 غزلیں اور 16 نظموں کے علاوہ 11 ہائیکواور کچھ متفرق اشعار ہیں۔ مجموعے کی آخری نظم ''برف کا روگ'' سے مجموعے کا نام انتخاب کیا گیا ہے۔ انتخاب''دھوپ کی دیوی'' کے نام ہے جو ظاہر ہے کسی موجودہ حقیقت کا علامتی اظہار ہے۔ ہمیں ''دھوپ کی دیوی'' کا وجود یوں بھی حقیقت آشنا لگتا ہے کہ زیر نظر مجموعے میں شامل شاعری موضوع، مواد، لفظیات، اسلوب اور طرز فکر و احساس کے اعتبار سے دل پر گزرنے والی اور روح پر اترنے والی لمحہ لمحہ گلاب زندگی اور اس سے نمو پانے والے کھٹے میٹھے موسموں کی شعری دستاویز ہے:

دیکھے ہیں جو خواب لکھ رہے ہیں
آنکھوں کا عذاب لکھ رہے ہیں
گزری جو دل پر لمحہ لمحہ
کچھ اس کا حساب لکھ رہے ہیں

برف کا روگ،ص23

نمو کا موسم نہ ہو تو بھی شاعر ایسا دیوانہ ہے جو گلاب اور وصل کا پیش لفظ لکھ کر ہجر کے باب اور نفرت کے عذاب بھلا کر محبتوں کے تازہ نصاب رقم کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں سکوت ہوتا ہے مگر اس کے اندر زلزلے جاگتے ہیں۔

بریڈ فورڈ(برطانیہ) میں مقیم نئی نسل کے خوبصورت لیجے کے شاعر اور ہمارے اور حفیظ جوہر کے مشترکہ دوست عابد ودود کے شعری مجموعہ کا نام''کڑی دھوپ کا مسافر''[3] ہے اور حفیظ نے اپنے مجموعے کا جزوی انتساب کڑی دھوپ کی دیوی کے نام کیا ہے۔ اگرچہ عابد ودود کا خود کو دھوپ کا مسافر کہنا گردش روزگار کے ہاتھوں مجبور ، سمندر پار اپنوں سے کٹ کر زندگی کی کڑی دھوپ میں محو سفر رہنے کا استعارہ یا تلازمہ بنتا ہے اور سمجھ میں بھی آتا ہے۔ پھر بھی جانے کیوں ہمیں ان ہر دو گہرے دوستوں کے ہاں مزاج و محبت کی باہمی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ لفظ دھوپ اور خصوصا ''دیوی'' کے فکری اشتراک اور ذہنی و قلبی وابستگی کی موجودگی کسی با معنی وجودی عنصر کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے۔

حفیظ جوہر کا شمار ان شعرا میں ہوتا ہے جو حدیث دل کو پورے پیکر میں مجسم کرتے ہوئے دل کے بنیادی تقاضوں کا احترام ہی نہیں کرتے بلکہ ان کی خوش رنگ اور خوش ادا ہم سفری کا لطف بھی اٹھاتے ہیں۔ انہیں آنکھوں میں اتارتے ہیں۔ ایوان جان میں سجاتے ہیں ، ان سے زندگے کے چلن سیکھتے ہیں۔ شاعر نے دل کے انہیں تقاضوں سے شعور و آگہی کا سراغ پایا ہے، روشنی

کے رنگ جیتے ہیں، پیار کا انداز اپنایا ہے، مٹی کے خواب اور یادوں کے گلاب مہکائے ہیں۔ جبھی تو اطہر راز کو کہنا پڑا:

بگولوں میں یقیناً بے گلی محسوس ہوتی ہے
مگر کچھ آنسوؤں میں بے بسی محسوس ہوتی ہے
تمہاری شاعری میں روشنی کے رنگ ہیں جوہرؔ
شعورزندگی میں زندگی محسوس ہوتی ہے[5]

حفیظؔ کے ہاں فرضی عشق کا روایتی ابال نہیں بلکہ دھوپ کی دیوی کا بخشا ہوا ایسا ملال اور درد ہے جس کی عطا نے اس کے من مندر میں ایک آگ سے روشن کر رکھی ہے۔ اندر کی اس آگ نے اسے جہاں عشق کے سچے جذبوں سے دہکا دیا ہے وہاں تخلیقی کرب کے وسیلے سے جیون بھر کے لئے سراپا سوز بنا دیا ہے۔ دھوپ کی دیوی نے ماضی میں اسے جس حدت و شدت سے ہمکنار کیا تھا اس نے اب حال کی ٹھنڈی آگ کا روپ دھار لیا ہے۔ اسی لئے تو جناب ساقی فاروقی "برف کی شاعری " پر رائے دیتے ہوئے اور حال کی ٹھنڈی آگ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''حفیظ تم ایک عمدہ شاعر ہو، اور اپنے حال کی ٹھنڈی آگ میں جانا جانتے ہو۔''[6]

گویا ''برف کا روگ'' ایسا شعری اظہار ہے جو ماضی کی جھلسا دینے والی آگ سے حال کی برف کے ٹھنڈےروگ سے کشید ہونے والی''آگ'' کا آنچ بھرا بیان ہے۔''برف کا روگ'' میں موج کلام چونکہ دل کے تقاضوں سے وجود میں آیا ہے لہذا جہاں داخلی طرز احساس کی کار فرمائی ، حسن و عشق سےوابستہ معاملات کی نقش گری، غم آلود احساس کی نوا آرائی کے ساتھ ساتھ انتظار تنہائی، بے تابی اور اداسی کی کیفیات ابھارنےوالے محسوساتی جذباتی عناصر اس کے لیے بنیاد کا کام کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر کمال یہ ہے کہ اس سارے شاعرانہ سفر میں غم کی مریضانہ کیفیات کے موڑ نہیں آئے بلکہ رجائیت پسندانہ نقطۂ نظر غالب رجحان بن کر ہر موڑ پر اپنا توانا احساس برقرار رکھتا ہے۔ شاعر کے ہاں اظہارغم کی جلوہ آرائی اظہارذات کی شکستہ پائی کے روپ میں نہیں بدلتی اس کے نزدیک قید حیات و بند غم، رخ حیات کی ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔

اس کے نزدیک غم بلند اور ارفع حسیات کو بیدار کر کے انسان کو دائمی عظمت عطا کرتے ہیں۔ وہ غم پسندی کی روایت اور قنوطیت آشنا پہلوؤں کو اخذ و قبول کرنے کی بجائے اس کے روشن اور ابدی حوالوں سے پیار کرتا ہے ۔ اسے خوشیوں کے نا مکمل رہنے سے زیادہ غم کے ادھوراہ جانے کا رنج ستاتا ہے۔ وہ دولت درد کو متاع جاں سمجھتا ہے:

کچھ دولت درد پر نظر کر
اے دل ترے پاس کیا نہیں ہے

برف کاروگ،ص64

چند خوشیاں تھیں نا مکمل سی
غم بہت تھے مگر ادھورے تھے

برف کاروگ،ص67

درد ہے دل میں مگر پیہم نہیں
ورنہ دل میں اور کوئی غم نہیں

برف کاروگ،ص77

مندمل گر نہیں ہوتا جوہرؔ
زخم دل اور بھی گہرا ہو جائے

برف کاروگ،ص94

اس کا ایقان نظر اجلے دیاروں کا استعارہ ہے۔ اسے ہر شام راستے میں پڑتی ہے مگر بے تکان مسافت کے اس کٹے سفر میں عزم و حوصلے کے لشکر اس کے ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ اگر کسی مقام پر شکستگی اور کم حوصلگی نے اس کے یقین منزل کے احساس کا امتحان لینا چاہا تو بھی ان نازک اور بے اعتبار لمحوں میں آہنی جذبوں نے اس کے سفری تسلسل میں کمی نہ آنے دی

۔ دشت شب میں اس کے سفر کی روشنی کا وفور پھلتا ہی رہا۔۔ درد آنکھوں میں سلگتا ہی رہا مگر وہ شب غم کے کٹ جانے کی سحر کھوجتا رہا:

قدم اُٹھتے چلے جاتے ہیں جوہرؔ
اگرچہ حوصلہ ٹوٹا ہوا ہے

برف کاروگ،ص55

کٹ ہی جائے گی شب غم اپنی
درد آنکھوں میں سلگتا جائے
کتنی صدیوں کی گھٹن ہے جوہر
آج در کھول کے رویا جائے

برف کاروگ،ص30

دہشت شب کے مقابل اک دیا
جگماتے سورجوں سے کم نہیں

برف کاروگ،ص77

وہ اگرچہ بگولوں اور آندھیوں میں زندگی محسوس کرنے کو سکون دل کی منزل قرار دیتا ہے مگر اسے یہ دکھ ہے کہ ہماری فکر ادھار سوچوں کی مقروض ہو چکی ہے۔ دسترس میں سورج رکھنے کے باوجود ہم ہیں کہ روشنی کی کرن تک کو ترس رہے ہیں۔ عہد نو غم ہے۔ لہو کی وحشتوں کے بازار تہذیب کے نام پر سجتے ہیں اور شاخوں پر گلاب جلتے ہیں۔ وہ محبت کے گیت تو گاتا ہے مگر انسان اور انسانیت کو دکھی دیکھ کر چیخ اٹھتا ہے۔ وہ یہ سوچ کر ٹوٹ ٹوٹ جاتا ہے کہ آج کا انسان ایسی پستی میں گھرا ہے کہ جہاں آنکھوں میں ڈر اگلتے ہیں اور دیکھے ہوئے رستوں سے بھی خوف آتا ہے ۔ پہچان اور شناخت کے سارے رنگ کھو گئے ہیں۔ دل کا ہر سوا چپ ہے۔ شہر کا شہر گھروں کے راستے بھول کر کسی خرابی میں آبسا ہے۔ دلوں کی محرومیوں کا یہ عالم ہے کہ ساون میں بھی پیاس مقدر ہو گئی ہے۔ شہروں میں اب لوگ نہیں سائے آبسے ہیں۔

حفیظ کی سوچ جہاں حسی سطح پر معاشرتی صورتحال کی کرب ناک کیفیات کو منظوم کرتی ہے وہا ں سوال اٹھاتی ہے کہ ہوائیں کیوں دم بخود ہو گئی ہیں۔ پھول شاخوں پر جھومنے کی بجائے یہ چپ چاپ کیا سوچتے رہتے ہیں؟ چاند کو کس نے آگ لگائی ہے اور سورج کو ٹھنڈا کس نے کر دیا ہے۔ یہاں سورج کے ٹھنڈا ہونے اور آگ کے برف میں بدل جانے کے بعد دائمی روگ کا روپ دھار لینے کی علامتیں بڑی معنی خیز اور پر اسرار سمتوں کی نشاندہی کرتی ہیں۔

شاعر خود سے سوال کرتا ہے کہ جب دشت میں کوئی بگولہ سر اُٹھاتا ہےتو مجھے محبوب کا خیال کیوں آنے لگتا ہے اور برف باری کے موسم میں دل کے سلگنے کی کیفیت قیامت خیز کیوں ہو جاتی ہے؟ قلبی واردات کے یہ مرقعے ذاتی دکھ کوکائناتی دکھ میں بدل کر آپ بیتی کا بدل بنا دینے کی سچائی کا احساس جواں رکھے ہوئے ہیں۔ ان کیفیات میں انسان کی روزمرہ زندگی کی اُداسی عکس ریز ہوتی ہوئی ملتی ہے۔ رواں دواں، ڈھلے ڈھلائے اور اظہار کی کبھی نہ بھولنے والی چاشنی اور دلوں میں یک لخت اتر جانے والی کسک کو شعری سطح پر روزمرہ کے معمولات بنا دینا ہی کمال فن ہے۔ شاید اسی سبب سے سجاد باقر رضوی نے کہا ہے:

''روزمرہ معمولات کو شعر میں ڈھالنا تار پر چلنے کے مترادف ہے یا تو شاعر کامیاب ہوتا ہے اور یا بری طرح ناکام۔''(۸)

یاد ، خواب، سفر، منزل، چاند، دل، آنکھ، رستہ، برف، تنہائی، شب، منظر، ہوا، غم، شہراور درد۔۔ایسے بنیادی اور بار بار دہرائے جانے والے الفاظ ہیں جنہیں شاعر۔۔ تمثال کاری، خیال آرائی، تلازمے اور استعارے کے طور پر، بڑے ہی من موہنے اسلوب میں رچا کر یوں پیش کرتا ہے کہ امیجری کردار کے بیانیہ انداز میں سج کر ڈرامائیت کو زندہ حقیقت بنا دیتی ہے۔

دل کے یکسر اجڑ جانے کا صدمہ، رفتگاں کی دھواں ہوتی یادوں کا ملال، پیاروں سے بچھڑ جانے کاد کھ، فطرت سے ہم آغوش ہونے کی آرزو، چاند تاروں کا بجھا ہوا محسوس ہونا، بھرے شہر میں تنہا ہونے کی قیامت سے گزرنا اور جو ان رُتوں میں اداس ہو جانا۔۔ ایسی محسوساتی تصویریں ہیں جو شاعر کو موضوعات، لفظیات اور طرزِ احساس کی بنا پر اختر شیرانی، ساغر

صدیقی اور بالخصوص ناصر کاظمی کے رنگ سخن سے ہم رنگ کرنے کی سفارش کرتی ہیں۔ اس کے ہاں مصرعہ سازی میں فنی سلیقہ مندی، خیال میں تازگی اور اندازِ بیان میں ترنم صفت تغزل کا کلاسیکی رچاؤ اور سبھاؤ۔۔۔ دلوں کو مسخر کرنے کی خوبی سے مالا مال ہے۔ تنہائی اور تنہائی سے پیدا ہونے والے رنج آفریں مناظر جہاں بہت تسلسل سے عکس ریز ہوتے ہیں وہاں خواب اور یاد۔۔۔ قلب کی اداسیوں، روح کی بے چینیوں اور خواہشوں کے نامکمل ہونے کی نشانی بن گئے ہیں۔ انتظار اور جاں گسل تنہائی کا بیان تو متعدد غزلوں میں مطلعوں کی پکار بن کر سماعتوں سے ٹکراتا ہے۔

اوپر بیان کیے گئے سوچ سفر کے مختلف زاویے ''برف کا روگ'' میں کس طرح ابھرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

کیا اعتبارِ شہر تمنا کرے کوئی
اک ایک کر کے خواب سہانے بکھر گئے

برف کاروگ،ص۳۵

آنکھیں یوں حیران ہیں جوہرؔ
جیسے سپنا ٹوٹ گیا

برف کاروگ،ص۳۸

نظر کی تشنگی کیسے بجھائیں
ہر اک منظر یہاں جلتا ہوا ہے

برف کاروگ،ص۵۵

ہوا کا شور بڑھتا جا رہا ہے دم بدم جوہرؔ
مجھے کمرے کی کھڑکی ٹوٹتی محسوس ہوتی ہے

برف کاروگ،ص٦٦

کوئی سنے تو پکار میری
میں اپنی آواز کا بھنور ہوں

برف کاروگ،ص۹۱

مانوس سی دستک میرے کانوں میں پڑی تھی
دروازے پہ دیکھا تو فقط رات کھڑی تھی

برف کاروگ،ص۱۳۵

عجیب تنہائیوں کا سلسلہ ہے
ہجومِ شہر میں دل ڈوبتا ہے

برف کاروگ،ص۲۷

پھر رہے ہیں نگر نگر تنہا
ختم ہو گا کبھی سفر تنہا

برف کاروگ،ص۵۴

رہ گیا درد بھی دھواں بن کر
اس طرح دل میں تیری یاد جلی

برف کاروگ،ص۵۴

دور فلک پر جب اک تارا ٹوٹا تھا
کون اس لمحے یاد آیا تھا یاد نہیں

برف کاروگ،ص۵۷

کم صم سوچ میں ڈوبا چاند
دیکھے کس کا رستہ چاند

برف کاروگ،ص۸٦

گزرے ہوئے موسم ابھی اترے نہیں دل سے
بچھڑے ہوئے لوگوں کو بہت یاد کیا ہے

برف کاروگ،ص۹۶

جب سال کی آخری شام سانس لے رہی ہو، شہر کی سرخوشی موج در موج با نہیں پھیلا رہی ہو تو ایسے میں وہ میزانِ سود و زیاں کو توڑ کر، کمرے کی تنہائیوں سے دامن بچا کر، شب و روز کی الجھنوں کو بھلاکر-- گھڑی دو گھڑی، اپنے خوابوں کے آنگن سے آواز دیتا ہے تو اس کی دھڑکنوں پر کوئی گیت لہرا اُٹھتا ہے۔ ایسے میں اُس کے سینے میں مچلتی ہوئی بے تاب تمناؤں کی ضوپاشی کو چشم خورشید بھی حیرت سے دیکھتی رہ جاتی ہے۔ برفیلی سوچوں کے موسم میں جب اس کے ارمان ٹھٹھر جاتے ہیں، جب دل کی ہر بستی کا ہر منظر ویران ہو جاتا ہے اور دھند میں لپٹا شہر سنسان ہو جاتا ہے تو وہ حیران آنکھوں کے ساتھ ''دھوپ کی دیوی'' کے لوٹنے کا منتظر نظر آتا ہے۔

''برف کا روگ'' درحقیقت دل کا روگ ہے۔ دھڑکتی زندگی کی دل نشیں بانہوں سے کسی ناراض لمحے میں یک لخت بچھڑ جانے کی ایسی سوگوار کہانی ہے جس نے شاعرکے جیون راستوں کو روگ بھرے منظروں کا کرب بخش دیا ہے۔ ایسا کرب کہ جس نے اس کی زندگی کو گہنائے ہوئے سورج کی لو بنا دیا ہے اور اب وہ دل کے روگ شعری منظروں میں رکھ کر اندر کی آگ کو برف کی صورت پگھلا رہا ہے:

زندگی لگتی ہے گہنائے ہوئے سورج کی لَو
دل نے اپنا روگ سارے منظروں میں رکھ دیا

برف کاروگ،ص۱۳۶

حوالہ جات

1. محسن احسان، امیدوں کے نئے دریچے، (دیباچہ)، مشمولہ: برف کا روگ، اسلام آباد: القلم، ۱۹۹۵ء، ص۱۵۔۱۶
2. حفیظ جوہر، برف کا روگ، اسلام آباد: القلم، ۱۹۹۵ء
3. عابد ودو، کڑی دھوپ کا مسافر، راول پنڈی: حرف اکادمی، ۲۰۱۳ء
4. اطہر راز، مشمولہ : قابلِ ذکر لوگ، لندن (برطانیہ):صدا پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص۱۱۵
5. ساقی فاروقی، رائے ، پس سرورق برف کا روگ، اسلام آباد: القلم، ۱۹۹۵ء
6. سجاد باقر رضوی، معروضات، لاہور: پولیمر پبلی کیشنز، س ن ، ص۱۶۷